ریڈیائی تقریر

ازحضرۃ مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حجۃ الاسلام
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تاریخ کی ایک زندۂ جاوید شخصیت

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے اپنے یہاں علماء اور مصلحین امت کے تعارف کے لئے ایک سلسلۂ تقریر شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی تھی جو حضرت مولانا نانوتویؒ کے متعلق براڈ کاسٹ ہوئی، ہم اس سلسلہ کی پہلی تقریر بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم شائع کر رہے ہیں۔ ——ادارہ——

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت ممدوح کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں اور وفات ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں ہوئی، اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمت کے سلسلہ میں جو عظیم کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ وہ صدیوں کی وسعت کے ہیں جنہیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساس کہتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی، ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کردیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔

اس لئے اس میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب وتعلیم سے الحاد و دہریت کی زد میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب وکلچر سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے نور معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور باشارات غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطۂ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی تاکہ یہ احساس کہتری دور ہو۔ اس کے لئے آپ نے تعلیم وتربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھنے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقاء وارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند قائم فرما کر بآسانی حاصل کر لیا۔ اس الہامی نقطۂ فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسمؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانے شروع کئے اور بنفس نفیس خود جا کر، مراد آباد، گلاؤٹھی، امروہہ، مظفرنگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور جابجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہو گئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے حریت فکر کے امین فضلاء نے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیا افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے، عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا، یہ ہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے

بین الاقوامی شہرت وعظمت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو ایسے اصولوں پر قائم فرمایا، جن کے تحت روز اول سے یہ درسگاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمایاں ہوئی چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دست مبارک سے لکھے جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اور آج تک ہر دور میں بانیٔ دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری پوری حفاظت ورعایت کی جاتی رہی ہے۔ یہ اصول درحقیقت دارالعلوم دیوبند کی معنوی بنیاد ہیں جن پر اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی۔ اور نہ صرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام مدارس چندہ کی بھی اساس ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے، چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر حضرت اقدس نے سرخی بھی یہی قائم فرمائی کہ: "وہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔"

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اس اجتماعی تحریک کی بنیاد بنے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ ملی ان اصول کے مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو صرف عوامی چندوں پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتداء ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے اور یہ دارالعلوم ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو، ساتھ ہی اصول میں یہ ہدایت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائدادوں اور کارخانہ ہائے تجارت سے کسی مستقل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے، ایسا کرنے پر امداد غیبی منقطع ہو جائے گی۔ رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس کو ان کے مخلص رفیق کار حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں ان الفاظ ظاہر فرمایا ہے کہ:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور وضیا ہو جائے گا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے۔ کہ تعلیم مکمل طریق پر آزاد رہے۔ جو اجتماعیت کی مدرج ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اصولاً معاملات دارالعلوم کو مشورہ کے اصول پر قائم فرما کر اس کو اس عہد استبداد میں جمہوریت کا نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقررہ اہل شوریٰ کے ایسے واردین، صادرین سے بھی مشورہ کرے جو مدارس

کے خیرخواہ اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں، یہ اصول حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم کے ہمہ گیر اور اجتماعی فکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں اور انہیں سے دارالعلوم دیوبند کی نوعیت، اہمیت بھی واشگاف ہوجاتی ہے، انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جبکا رخ خصوصیت سے مسلمانوں کیطرف تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس دور کی خلافت اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کیطرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا، سلطان ترکی کی مدح میں قصیدے لکھے اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے، اس دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بہ نفس نفیس جگہ جگہ دورے کر کے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ فرمایا اور خود اپنے گھر باہر کا تقریباً بڑا اسامان بطور چندہ ترکی خلافت کی مدد کے لئے روانہ فرما دیا، تاکہ خلافت سے وابستہ رہکر ملی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بندرہے۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانان ہند نے احیاء خلافت کی تحریک شروع کی تو بلا تفریق مذہب وملت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق، متحد ہوکر اس میں برابر کی شریک رہیں اس اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ حج کی ترغیب دیتے تھے کہ بذات خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادۃ ہے تاکہ مشرق و مغرب کے مسلمان یکجا جمع ہوکر باہم وابستہ ہوں اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو اور ساتھ ہی ترکی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے، یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کر دینے کے لئے کافی ہے کہ ملت کا بقاء و ارتقاء تعلیم کی ہمہ گیری ذوق اجتماعیت کے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی ہی میں مضمر ہے۔

آخر کار یہی روح ان کے تربیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اس قاسمی فکر کے امین بنے اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اس کے عملی امین بنے۔ اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ریشمی خط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں، ان کے بعد ان کے ہزارہا شاگردوں میں بھی رنگ جوہر نفس ہوتا رہا جن میں خصوصیت سے قابل ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری وغیرہم تھے جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدت عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ

میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتلاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو، بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیا و عقبیٰ دونوں کے اکتشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔ مباحثہ شاہجہاں پور کا واقعہ وہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کیطرف موڑ دیا جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعماء نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی، یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو طشت ازبام کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی اور ان کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ کا یہ قول کہ "کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحب جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے" ان کی عظمت و اہمیت کے باب میں بلاخوف تردید حرف آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقیہ : مولانا آزاد اور حدیث

قیامت کے طور پر ثابت ہے اس سے ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر حضرت عیسیٰؑ تکمیل دین کے سلسلے میں تشریف لاتے تو یہ عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہوتا۔

۲۔ حدیث رسولؐ حجت ہے، حدیث کو بالعموم رد کرنا، کنڈم کرنا، کتاب اللہ کی صریح ہدایت سے روگردانی کرنا ہے۔

رہا معاملہ بخاری کی حدیثوں کا، تو اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۴ پر لکھا ہے کہ صحیح بخاری، مسلم اور موطا طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔

وانہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع ــــ الخ

جو شخص ان دونوں (بخاری و مسلم) حدیث کی کتابوں کا درجہ گراتا ہے۔ اور ان کی اہمیت کو کم کرتا ہے۔ وہ مبتدع ہے اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

(متبع غیر سبیل المؤمنین)